احمد خان

علمی ورثے کی حفاظت

اپنے ورثے کی حفاظت کرنے والی قوم ہی مستقبل میں ترقی کی راہیں پاتی ہے۔ ہم نے اس وقت تک ثقافت، تمدن، لباس، زبان، رہن سہن کے طور طریقے، موسیقی اور قدیمی عمارتوں کی حفاظت ہی کو ورثہ خیال کیا ہے۔ انھی کی پاسداری اور حفاظت کی جاتی ہے۔ جس چیز کی طرف ہم خیال نہیں کرتے وہ ہے ان باتوں کے پیچھے کام کرنے والا دماغ، یعنی وہ کتب خانے جن کے مطالعہ کے بعد ان تمام امور کی راہیں متعین ہوتی ہیں۔ انھی کتب خانوں سے تمام فکری، علمی اور ثقافتی رجحانات کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

ہم نے ورثے کے برگ و بار کی طرف جو بظاہر سب کے سامنے ہیں خوب دھیان دیا ہے مگر ان کی جڑ کی طرف توجہ دینا باقی ہے۔ اگر بزرگوں کی ان کتابوں کی حفاظت نہ کی گئی جو انھوں نے برس ہا برس میں جمع کی ہیں اور نسلاً بعد نسلٍ آگے منتقل ہو رہی ہیں تو گویا ہم نے اس ورثے کے دماغ کو ضائع کر دیا۔ چنانچہ یہ وقت کا اہم اور فوری توجہ طلب مسئلہ ہے۔

ملک کے مختلف حصوں میں اہل علم و فضل کی کمی نہیں جنھوں نے اپنی ذاتی دلچسپی سے کتب خانے قائم کیے، ان سے استفادہ کرتے رہے اور اگلی نسل میں منتقل کر دیا۔ سندھ میں ابتدائی مسلمانوں کی جمع کردہ کتابیں، پنجاب میں بڑے بڑے خاندانوں میں جمع شدہ ذخیرے اور اسی طرح سرحد اور بلوچستان میں اہل علم حضرات کے شوقِ علم کے مظاہر اب بھی موجود ہیں۔ یہاں کے بعض علمی گھرانوں نے جہاں علم و فضل کے انمٹ نشان چھوڑے ہیں، جو مصلح امت، گہوارہ علم اور مرکز رشد و ہدایت رہے ہیں، وہاں انھوں نے ملّت بیضا کے ذہنی جواہر پاروں کو جمع کرنے میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ اس خطۂ ارض میں بعض اصلاحی تحریکیں نے کچھ خوش بخت خاندانوں کو اپنا مسکن بنایا اور انھوں نے اس سے متعلق بیش قیمت لٹریچر محفوظ کر لیا۔ اللہ کی قدرت سے باہر نہیں کہ وہ بے آب و گیاہ زمین میں ایسے ایسے لہلہاتے پودے اگا دے کہ سرسبز و شاداب زمین اس پر رشک کر اٹھے۔

علم کسی کی ذاتی میراث نہیں ہوتا ایسی ایسی جگہوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے علما پیدا ہوئے

ہیں جہاں گرد و نواح میں علم سے واقف تو کیا اس کے نام سے بے بہرہ لوگ رہتے ہیں۔ اس بنجر اور کھارا زمین میں علم کے یہ پودے نہ صرف بڑھے بلکہ برگ و بار لائے۔ ان کے گرد خود بخود ایک علمی حلقہ بن گیا، جو ان کی حیات تک قائم رہا۔ مگر ان کی زندگی کا چراغ بجھتے ہی وہ باغ اُجڑ گیا۔ مگر ان کی کاوشوں سے جمع شدہ کتابیں وہیں اگلی نسل میں منتقل ہوتیں۔ اس قسم کے علما کا احاطہ ہماری دسترس سے باہر ہے۔ باوجود اس کے کہ آج کل کی سمٹی ہوئی دنیا میں اس کا کونا کونا سب کو معلوم ہو چکا ہے مگر ایسے خوابیدہ علما اور قعرِ نسیان میں ڈوبے ہوئے اصحابِ فضل کے بارے میں بہت ہی کم معلومات دستیاب ہوتی ہیں۔ اپنی ایسی علم کی شمعوں کے بارے میں معلومات بہم پہنچانا بھی اس ملّت کا کام ہے، جن کی روشنی ایک مخصوص مدت تک چار دانگ عالم میں جگمگاتی رہی اور جن سے اکتساب نور کے بعد نسل آگے بڑھی۔ ان کے بارے میں علم کے سوتے اس قدر خشک ہیں کہ کوئی صورت ہی نظر نہیں آتی۔ کبھی کبھی کتب خانوں میں کتابوں پر ان کے اسمائے گرامی یا کبھی کسی جگہ پر قدیم کتابوں کے ذخیروں کی بدولت ان کے درخشندہ ناموں کا علم ہوتا ہے۔

ان حضرات کے خون پسینے کی کمائی سے اکٹھی کی ہوئی کتابوں سے مستفید ہونے والے تو کجا ان کو ہاتھ لگانے والے میسر نہیں ہے۔ جہاں کسی تکیے میں بند، تازہ ہوا سے محروم اندھیرے میں پڑی ہیں۔ وہیں سال ہا سال سے پڑی ہیں، انھیں کسی نے ہلایا ہے نہ انھیں کسی ہاتھ نے چھوا ہے۔ وہ برسوں سے ان سے استفادہ کرنے والوں کے لیے ماتم کناں ہیں۔

یہ بے ترتیب و خاموش کتابوں کے ڈھیر، دیمک کی خوراک بنتے جا رہے ہیں، بارش وغیرہ کا پانی بھی انھیں تباہ کر رہا ہے، گھر کی مستورات ان کو پانی میں گلا کر ان قیمتی جواہر پاروں کے اوراق سے ہلکے پھلکے برتن بنا رہی ہیں، کہیں کہیں کچھ تقدس کا خیال رکھتے ہوئے بوریوں میں بھر کر مساجد کی نذر کر دی گئیں ہیں۔ پہاڑی علاقوں میں تو بیسیوں ایسے واقعات پڑھنے اور سننے میں آئے ہیں کہ پہاڑوں کی بڑی بڑی کھوہوں میں کتابیں دفن کر دی گئیں۔ مرنے والے کے ساتھ اس کی کتابیں دفن کرنا تو ایک عام رواج رہا ہے۔ کتابوں کی عزت و تکریم کا انوکھا مظہر یہ بھی دیکھا ہے کہ انھیں جلایا نہیں جاتا تاکہ ان کی بے حرمتی نہ ہو بلکہ انھیں دریا برد کر دیا جاتا ہے، یا ایسے واقعات بھی سامنے آئے ہیں کہ انھیں جلا کر راکھ کر دیا گیا اور پھر وہ راکھ دریا میں بہا دی گئی یا کسی اندھے کنویں میں پھینک دی گئی۔

کس قدر افسوس ناک مقام ہے کہ علم و فضل کی شمعیں جہاں کئی برس روشن رہی ہوں وہاں دوسری تیسری نسل میں ایسا کوئی پیدا نہ ہوا جو پہلی نسلوں کے علمی ورثے سے استفادہ تو دُور کی چیز ہے اُسے سنبھال ہی سکتا اس کا کم از کم رکھ رکھاؤ ہی کر سکتا۔ کئی ایسے حضرات سے آپ کی ملاقات ہوئی ہوگی جو باپ دادا کی کتابوں کو ردّی میں بیچ دیتے ہیں یا اونے پونے کسی ناقدرشناس کے حوالے کرکے اس جگہ کو خالی کر لیتے ہیں جہاں برسوں سے کتابیں پڑی تھیں۔ جہاں کہیں کچھ حفاظت ہو رہی ہو اور محافظ عمر کے آخری پیٹے میں ہونے کے باوجود نئی نااہل نسل کو کتابیں بیچنے نہیں دیتا، وہاں چوری چھپے اس خزانے کو گھن کی طرح کھایا جا رہا ہے جو کتاب ان کے ہتے چڑھ گئی وہ ردّی میں بیچ کر انھیں کھا رہے ہیں۔

اس کے برعکس آبا و اجداد کی کتابوں کا جاہل اور ناکارہ مگر مادی منفعت کا طالب طبقہ ایسا بھی ہے جو ان کتابوں کی اصل قدر و قیمت سے ناواقف ہے۔ ان کی صحیح اہمیت اس کے پیش نظر نہیں مگر لوگوں کے کہنے سننے پر اُسے جہالت اور زرطلبی نے اندھا کر رکھا ہے اور وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ یہ بیش قیمت خزانہ مجھے لاکھوں روپے دلا سکتا ہے اس لیے وہ اس کو کسی طالب کے حوالے کرنے کے بجائے ناممکن الحصول رقم کی تمنا میں اسے ابھی تک گھر میں بند رکھے ہوئے ہے، کتب خانے کا علمی طور پر استعمال نہ ہو رہا ہو تو اس وقت کتابوں کے بے کار ہونے اور ان کا کاغذ از کار رفتہ ہونے اور بوسیدگی کی طرف تیزی سے بڑھنے کا عمل جاری رہتا ہے۔

یہ حال ہے ان جواہرات کا جو ہمارا دماغی ورثہ ہے، جن کو جمع کرتے وقت اس کے اصلی مالک نے ایک ایک موتی چُن چُن کر دیکھ بھال اور خون پسینے کی حلال کمائی سے اکٹھا کیا تھا، یہ حال ہے اس خزانے کا جس نے برسوں شمع علم کی درخشندگی اور آب و تاب کو قائم رکھا۔ اب یہ خزانے برباد ہو رہے ہیں اور یہ موتی خاک میں مل رہے ہیں۔

ان کی اس بربادی سے صرف وہ کاغذ کی کتابیں ہی تباہ نہ ہوں گی بلکہ علم و دانش کے سوتے خشک ہو جائیں گے، جن کتابوں نے ہمارے اذہان کی تار و پود بُنی ہے ان کی تباہی سے ہمارے اذہان بے کار ہو سکتے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ ان کتابوں نے صدیوں سے ہماری عقل و بینش کی تیاری میں حصہ لیا ہے ان کی حفاظت اپنی حفاظت ہے ان سے غفلت اپنے وجود سے غفلت ہے، ان کی تباہی ہمارے وجود کی تباہی ہے۔ اس امر سے کون ناواقف ہے کہ ہماری ذہنی بناوٹ اور عقلی راہیں بنانے میں یہ کتابیں پیش پیش

رہی ہیں۔ ان کے مطالعے سے ماضی کی حفاظت اور اس کے سمجھنے میں بہت مدد ملے گی ۔ جس کی بنیاد پر مستقبل کی تعمیر ہو سکتی ہے۔ اگر یہ کتابیں محفوظ نہ رہیں تو گویا ہم ماضی سے کٹ جائیں گے اور مستقبل بھیانک ہو جائے گا۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ مستقبل کی بنیادیں حال و ماضی ہیں، ہمارے ذہنوں کو مستقبل میں کس طرح ایک درست طریقے پر ڈھالا جائے ؟ یہ مسئلہ سوشل تبدیلی میں ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے جس کے تجربے کے بعد ماضی کو سمجھا اور مستقبل کو بنایا جا سکتا ہے ۔

آیئے ان خزانوں کی حفاظت پر توجہ کریں، انھیں ناکارہ ہونے سے بچائیں، ان کے داخلی اور خارجی تباہ کاروں پر کنٹرول کریں اور انھیں کارآمد صورت میں آئندہ نسل تک منتقل کریں ۔

داخلی طور پر ان کتابوں کو جو نقصان پہنچ رہا ہے اس میں کتابوں کے کاغذ کا گلنا اس کا قابل استعمال نہ رہنا اور کتابوں کے دشمن کیڑوں کے حملے شامل ہیں۔ اگرچہ فی زمانہ داخلی نقصان سے زیادہ خارجی نقصان ہو رہا ہے تاہم کتابوں کی حفاظت کے پیش نظر اس اول الذکر ضیاعِ علم کی طرف بھی دھیان دیا جانا چاہیے۔

کتابوں کی حفاظت کا کام ایک فنی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور محبانِ کتب ان کے رکھ رکھاؤ کے لیے مختلف النوع جتن کرتے ہیں تاکہ ان کے یہ جواہر پارے محفوظ رہیں اور ایسے طریقوں میں ہر چند کہ بہت ترقی ہو چکی ہے مگر ان حضرات کے لیے بھی کتابوں کی حفاظت دشوار نہیں ہے جو ان ترقی یافتہ اور جدید ترین حفاظتی تدابیر سے چنداں واقف نہیں ہیں۔

کتابوں کی حفاظت کوئی اسی دور کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ ہمارے اسلاف نے جو ان کے خالق تھے اور اپنی روحانی اولاد کی حفاظت میں کوشاں رہتے تھے، انھوں نے کئی ایسے سہل اور ہر ایک کے لیے ممکن طریقے دریافت کیے تھے جن سے آج بھی مدد لے کر ہم کتابوں کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ ان تمام طریقوں کو نو رہنے دیجیے ہم آپ کو حفاظت کے مختلف نوشنوں کے چکر میں سر دست ڈالنا نہیں چاہتے ۔ بس صرف ایک انداز سے حفاظت ہی کر لی جائے ، تو کافی ہوگا، دور دیہات میں اگرچہ اور بھی چیزیں آزمائی جا سکتی ہیں مگر بھوسے کا دھواں کتابوں کی حفاظت میں بہت کام دے سکتا ہے اگرچہ یہ طریقہ بھلا نہیں ہے اس سے کتابوں کے کاغذوں کو نقصان بھی ہوتا ہے تاہم ایک بڑی تباہی سے بچا دیتا ہے یہ دھواں کڑوا ہوتا ہے اور اس کی کتابوں پر کڑواہٹ آئندہ ہمیشہ کے لیے کیڑے

سے محفوظ کر دیتی ہے اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہی بہترین طریقہ ہے یا اس کے علاوہ کوئی نہیں بلکہ حقیقت امر یہ ہے کہ تمام ممکن اور سہل طریقوں میں سے اس کو اس لیے منتخب کیا گیا ہے تاکہ دیہات کے لوگوں میں ہر کوئی اس پر عمل کر سکے ورنہ کتابوں کے مختلف دشمن کیڑوں کے نقصان سے بچانے کا کام اب کتابوں پر ڈی ڈی ٹی پاؤڈر چھڑک کر بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ تو صرف مثال کے طور پر عرض کیا گیا ہے اگر واقعی کتابوں کی حفاظت کا درد دل میں ہو تو کئی طریقے اور راہیں اختیار کی جا سکتی ہیں جن سے کتابوں کے مختلف عوارض کا علاج کر کے انھیں بچایا جا سکتا ہے۔

اپنے ملک میں کئی حضرات بلکہ ایسے ادارے ہیں جو کتابوں کی حفاظت کے لیے مختلف کیمیکل کی دریافت میں کوشاں ہیں۔ وہ اس بات پر تحقیق بھی کرتے رہتے ہیں کہ کس قسم کے علاقے میں کون کون سے کیڑوں کی کتابوں میں افزائش ممکن ہے اور کس طرح ان کیڑوں کو تباہ کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال یہ ایک فنی بات ہے جس کے لیے یہ جگہ متحمل نہیں۔ تاہم کتابوں کی طرف توجہ، ان کا استعمال اور ان کی صحیح قدر و منزلت کے سمجھنے سے بھی ان کی بہت حفاظت ہو سکتی ہے۔

ہمارے خیال میں نقصان مذکورہ بالا سے بڑھ کر اس وقت وہ نقصان ہے جو نااہل اور مالی منفعت کی طالب نسل اس ذخیرے کے ساتھ بدسلوکی سے کر رہی ہے۔ اس کا علاج واقعی مشکل نظر آتا ہے۔ جب تک یہ جاہل نسل زیور علم سے آراستہ نہیں ہوتی اور ان کتابوں کی قدر و منزلت کو نہیں سمجھتی اس وقت تک یہ زیاں کاری ہمارا مقدر رہو چکی ہے اگر سوچا جائے تو واقعی اس وقت تک ہم بے بس ہیں اور ان ذخیروں کو بچانے کے لیے کوئی تدبیر اختیار نہیں کر سکتے جب تک ایسے حضرات کو سمجھایا بجھایا نہ جائے جن کے پاس ایسے ذخیرے موجود ہیں کہ ان کو تباہ و برباد کرنے، ردی میں بیچنے، تقدس کی خاطر دریا برد کرنے یا جلانے کی بجائے ان سے استفادہ کریں، عوام کو ان تک پہنچنے دیں اور ان قیمتی پاروں کو افادۂ عام کے لیے وقف کر دیں۔

ہمارے ذہین اسلاف اپنی ایسی متاعِ بے بہا سے رخصت ہونے سے قبل کئی ایسے طریقے اختیار کرتے تھے جن سے نہ صرف یہ کتابیں محفوظ رہ جاتیں بلکہ آئندہ نسلوں کے لیے بہترین مشعلِ راہ کے طور پر استعمال ہوتیں۔ مرنے سے قبل وہ اپنی جمع کردہ کتابوں کو ملک کے بڑے بڑے کتب خانوں میں جمع کرا کر نہ صرف اپنا نیک نام پیدا کرتے تھے بلکہ اپنے جواہر پاروں کی کماحقہٗ حفاظت اور ان سے تحقیقی دوستی کا

حق ادا کرتے تھے۔ چنانچہ اب بھی ایسے حضرات کے لیے ملکی کتب خانوں کے دروازے کھلے ہیں، جہاں ان کتابوں کو جمع کروایا جاسکتا ہے، جو حقیقی طالبان سے محروم ہو چکی ہیں یا ہو رہی ہیں۔ مگر یہ عمل وہی شخص کر سکتا ہے جسے ان کتابوں سے حقیقی محبت ہے اور وہ کسی طرح زرطلبی کے مرض میں مبتلا بھی نہیں ہے اور وہ اس امر کا متمنی ہے کہ ان کتابوں سے آئندہ نسلیں کس طرح مستفید ہو سکتی ہیں۔ ممکن ہے کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ ایسے کتب خانے کون سے ہیں جو واقعی اس میراث کے امین بھی رہ سکتے ہیں اور جہاں یہ کتابیں صدقہ جاریہ کے طور پر کام بھی دے سکتی ہیں، تو اس ضمن میں کئی ایسے کتب خانوں کا نام لیا جاسکتا ہے، جنھیں ہم جانتے ہیں مگر بہتر یہی ہے کہ اس سلسلے میں خود اس امر کا خواہش مند دیکھے کہ کہاں پر واقعی اس کی دی ہوئی کتابوں کا صحیح مصرف ہوگا اور اس کی حفاظت بھی ہوگی۔

اس ساری گزارش کے پیچھے جو جذبہ کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ کس طرح اس علمی، ذہنی اور ثقافتی میراث کی حفاظت کی جائے تاکہ برسوں سے جمع شدہ خزانوں سے محرومی نہ ہو، اور یوں ہم اپنی غفلت کے سبب اپنے وجود کو کھو نہ بیٹھیں۔

اسلام کا نظریۂ حیات

از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

یہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی شہرۂ آفاق انگریزی تصنیف "اسلامک آئیڈیالوجی" کا ترجمہ ہے جس میں اسلام کے مذہبی، اخلاقی، سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی اصولوں کا دوسرے نظریات سے اور اسلامی نظریۂ حیات کا دوسرے نظام ہائے فکر سے مقابلہ کرکے ایک طرف تو مغربی دنیا کو دعوتِ فکر دی گئی ہے اور دوسری طرف خود مسلمانوں کو جمود و بے حسی کے طلسم کو توڑنے اور اسلام کی حقیقی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔

صفحات ۳۹۶+۸ قیمت ۱۳/۰۰ روپے

ملنے کا پتہ :۔ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور